مولانا مفتی محمد طارق محمود

محدثین اور فقہاء کے اصول حدیث

ایک تقابلی جائزہ...... چند بنیادی نکات میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مدیر ماہنامہ ''صفدر'' دام اقبالہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت محترم! ایک مضمون ماہنامہ ''صفدر'' میں اشاعت کی غرض سے ارسال خدمت ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ بندہ کو محدثین اور فقہاء کے اُصول حدیث کے تقابلی مطالعے کا شوق تھا۔ چنانچہ تدریس اور افتاء وغیرہ کی مصروفیت کے ساتھ تقریبا پانچ سال تک یہ مطالعہ جاری رہا۔ بندہ اس دوران اہم نکات ضبط کرتا رہا۔ اختتام مطالعہ پر بندہ نے حاصل مطالعہ دس نکات کی شکل میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دام ظلہ کی خدمت میں ارسال کیا، تاکہ حضرت اس کی اصلاح فرمادیں۔ الحمدللہ حضرت نے ان نکات کی تصویب فرمائی۔ وہ خط ساتھ منسلک ہے۔ حضرت تقی دام ظلہ کا جواب دوسرے احباب کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ سب نے پسند فرمایا۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ ان نکات کی مزید وضاحت پر مشتمل ایک مضمون تحریر کریں تو بہتر ہے۔ چنانچہ بندہ نے ''محدثین اور فقہاء کے اصول حدیث: ایک تقابلی جائزہ چند بنیادی نکات میں'' وضاحتی مضمون لکھا۔ خط اور وضاحتی مضمون دونوں آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ امید ہے کہ آنجناب اسے اپنے مؤقر ماہنامے میں شائع فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالی خیرا محمد طارق محمود عفی عنہ

متخصص فی الحدیث و الفقہ و الافتاء...... مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

۲۲ رجب ۱۴۴۱ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۲۰ م

عریضہ بنام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور حضرت کا جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالی حضرت والا کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھیں آمین

حضرت محترم! بندہ کو فقہائے مجتہدین اور محدثین کے اصول حدیث کے تقابلی مطالعہ کا شوق تھا۔

تدریس وافتاء وغیرہ کی مصروفیت کے ساتھ اللہ تعالی کی توفیق سے تقریباً پانچ سال میں یہ مطالعہ پورا ہوا۔اس کے بنیادی نتائج چند نکات کی صورت میں پیش خدمت ہیں۔حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان میں جو غلطی ہو اس کی اصلاح فرمادیں تاکہ اطمینان کے ساتھ طلبہ کو یہ باتیں بتا سکوں۔

۱......حدیث شریف سے بحث واعتناء کرنے والی اہل علم کی دو جماعتیں ہیں:

ایک جماعت فقہائے مجتہدین اور اصولیین کی ہے،چنانچہ اصول فقہ کی ہر کتاب میں باب السنۃ کے عنوان کے تحت اصول حدیث مذکور ہیں۔فقہاء کے اصول حدیث معلوم ہونے کی اصل جگہ یہی ہے۔

دوسری جماعت محدثین کی ہے۔حدیث شریف کی کتابی تدوین کا عروج تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کی تالیف ہے،لہٰذا صحاح ستہ کے بعد محدثین نے اصول حدیث کے موضوع پر جو کتب لکھیں ان میں مؤلفین صحاح ستہ کی فنی آراء کو مرکزی حیثیت حاصل رہی،ضمناً اور تبعاً کہیں کہیں فقہاء کے اصول ملتے ہیں۔

۲......ان دونوں جماعتوں کا موضوع بحث ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہے۔محدثین کا اصل کام حدیث کی سماعت وروایت وحفاظت ہے،تاکہ غیر حدیث حدیث نہ بنے۔فقہائے مجتہدین کا کام حدیث شریف کو بطور مصدر تشریع لینا ہے۔اس سے احکام اور قوانین کا استنباط کرنا ہے۔لہٰذا یہ قانونی اور تشریعی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔حدیث کے ثبوت سے آگے بڑھ کر اس کی عملی حیثیت اور احکام کی تفصیلی درجہ بندی ان کا مطلوب ہے۔ان کا دائرہ بحث محدثین سے اعم واشمل ہے۔

۳......ان دونوں جماعتوں کی اصطلاحات اور قواعد میں باہم کئی جگہ اختلاف بھی ہے۔اس کا بنیادی مقصد ان کے ہدف اور مقصد کا اختلاف ہے۔

۴......حضرات محدثین نے اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد سے حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت کا ایک معیار اور پیمانہ مقرر کیا ہے۔اسی طرح فقہاء نے اپنے مقصد کے پیش نظر اپنے اجتہاد سے حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت کا ایک معیار اور پیمانہ مقرر کیا ہے،جو محدثین کے معیار سے قدرے مختلف ہے۔بسا اوقات حدیث محدثین کے اصول پر ثابت نہیں ہوتی،مگر فقہاء کے اصول پر ثابت ہوتی ہے۔ وبالعکس ایضا۔

۵......محدثین کی زیادہ تر بحث خبر واحد کی سند سے ہوتی ہے۔سند میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔ ۱: ثقاہت رواۃ (یعنی سب عادل وضابط ہوں)۔۲: اتصال سند۔شذوذ وعلت درحقیقت سند کے ان دو اوصاف کی کمی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ثقاہت اور اتصال کی تفصیل فقہاء کے ہاں محدثین سے مختلف ہے۔

۶......حدیث پر عمل کرنے کے لحاظ سے محدثین کا عمومی طریقہ یہ ہے کہ صحیح مرفوع حدیث کے ظاہری معنی لیتے ہیں۔اور جہاں احادیث میں بظاہر تعارض ہو وہاں تطبیق دیتے ہیں یا قوت سند کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔دوسری طرف فقہاء کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید، مرفوع احادیث، شریعت کے عام قوانین، صحابہ اور تابعین کے فتاوی اور عمل، حکم کی علت، شارع کی غرض، ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے دلائل کے مراتب وغیرہ جملہ امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث کی عملی حیثیت متعین کرتے ہیں۔اور کئی طرح کے قرائن وشواہد کی بنا پر حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔

۷......مقصد اور طرز عمل کا یہ اختلاف، اختلاف رائے سے آگے بڑھ کر طعن وتشنیع کی حد تک بھی پہنچا ہے۔فقہاء نے کسی قرینے کی بنا پر حدیث کے ظاہری معنی چھوڑ کر معنائے محتمل مراد لیے تو محدثین نے اس پر مخالفت حدیث اور رائے کا طعن کر دیا، خصوصا حنفیہ اس ملامت کا زیادہ ہدف بنے ہیں۔اس کا بنیادی سبب یہ ہوا کہ حنفیہ کے اصول وفروع کو براہ راست ان سے سمجھا نہیں گیا۔دُور ہی دُور سے از خود سرسری طور پر دیکھا گیا اور سمجھ نہ آنے پر معاندانہ رویہ اختیار کر لیا گیا۔نتیجۃً حنفیہ کے دلائل اور رِجال کے ساتھ انصاف کم ہی ہوا۔ورنہ جنھوں نے براہ راست ان سے سمجھا انھوں نے صاف اعلان کر دیا کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے محتاج ہیں۔اور ظاہر ہے کہ فقہ کی بنیاد تو حدیث ہی ہے۔

۸......طالب علم اور باحث پر لازم ہے کہ ان دونوں جماعتوں کی اصطلاحات اور قواعد مستحضر رکھے اور دونوں کو اپنے اپنے درجے پر رکھے تا کہ علم وبحث کا حق ادا ہو۔

۹......عمل بالحدیث سب ائمہ کی مشترک میراث ہے۔البتہ عمل کیانداز اور طریقے میں کچھ فرق ہے۔کوئی ظاہری معنی تک رہتا ہے، تو کوئی اس سے آگے بڑھ کر غرض اور مراد کا کھوج لگاتا ہے۔اجتہادی اختلافات کو اپنی حدود میں رکھنا ضروری ہے، ورنہ مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔

۱۰......سب ائمہ کیساتھ ادب اور حسن ظن لازم ہے۔

حضرت والا سے گزارش ہے کہ اس کی اصلاح فرمادیں اور اپنی رائے گرامی تحریر فرمادیں۔

فجزاکم اللہ تعالی خیرا۔ والسلام علیکم

خویدمکم: محمد طارق محمود عفی عنہ......۶ رصفر ۱۴۴۱ھ/ ۶ را کتوبر ۲۰۱۹م

باسمہ سبحانہ مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ جو نکات آپ نے لکھے ہیں، بحیثیت مجموعی درست ہیں۔

والسلام......محمد تقی......۱۷/۲/۱۴۴۱ھ

(مسلک خط کی تشریح میں لکھا جانیوالا مضمون)

۱......حدیث شریف سے بحث واعتناء کرنے والی اہل علم کی دو جماعتیں ہیں:

ایک جماعت فقہائے مجتہدین اور اصولیین کی ہے، چنانچہ اصول فقہ کی ہر کتاب میں باب السنۃ کے عنوان کے تحت اصول حدیث مذکور ہیں۔فقہاء کے اصول حدیث معلوم ہونے کی اصل جگہ یہی ہے۔

دوسری جماعت محدثین کی ہے۔حدیث شریف کی کتابی تدوین کے عروج کا دور تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کی تالیف ہے، لہٰذا صحاح ستہ کے بعد محدثین نے اصول حدیث کے موضوع پر جو کتب لکھیں، ان میں مولفین صحاح ستہ کی فنی آراء کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ضمناً اور تبعاً کہیں کہیں فقہاء کے اصول ملتے ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت وضعف کے لیے مقرر کیے ہیں، وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کیے، بلکہ اپنے ظن واجتہاد سے مقرر کیے ہیں، ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت وضعف حدیث کے لیے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جو اصول فقہ کی بحث السنۃ میں مذکور ہیں۔ [مقالات عثمانی:۲/۹۱،مرتب: مولانا شفیع اللہ، بیت العلوم، لاہور، سن ندارد]

شارح نور الانوار ملا جیون بحث السنۃ کے شروع میں فرماتے ہیں:

وهذا (أى البيان فى هذا الباب) على طبق أصول الفقه لا أصول الحديث وإن اشتركا فى بعض الأسامي والقواعد. [نور الأنوار: ۱۷٦، سعيد، كراتشى دون التاريخ]

قوله على طبق أصول الفقه لاأصول الحديث .أقول: أى على طبق علم أصول الفقه لاعلم أصول الحديث حسب الاصطلاح، وإلا فلا شك أن المذكور هناك فى الحقيقة أصول الحديث كما هو أصول الفقه أيضا .طارق

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اصول حدیث سارے کے سارے، مقدمہ ابن صلاح، شرح نخبہ، تدریب الراوی وغیرہ چند ایک مشہور کتب میں ہیں بس۔ان کے علاوہ اُصول حدیث کا کوئی وجود نہیں، اور ان کتب مذکورہ میں لکھے ہوئے قواعد سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔سو یہ بات محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔کتب اُصول فقہ کا باب السنۃ بھی اُصول حدیث ہی کے موضوع پر ہے۔فرق اتنا ہے کہ وہاں محدثین کی اصطلاحات وآراہیں اور یہاں فقہاء واُصولیین کی۔

۲......ان دونوں جماعتوں کا موضوع بحث ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہے۔محدثین کا اصل کام حدیث کی سماعت و روایت وحفاظت ہے، تاکہ غیر حدیث حدیث نہ بنے۔فقہائے مجتہدین کا کام حدیث شریف کو بطور مصدر تشریع لینا ہے۔اس سے احکام اور قوانین کا استنباط کرنا ہے۔لہٰذا یہ قانونی اور

تشریعی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ حدیث کے ثبوت سے آگے بڑھ کر اس کی عملی حیثیت اور احکام کی تفصیلی درجہ بندی ان کا مطلوب ہے۔ ان کا دائرۂ بحث محدثین سے اعم و اشمل ہے۔

قال النواب صدیق حسن القنوجی: إلا أن معرفة التواتر والآحاد والناسخ والمنسوخ و إن تعلق تبع لما لحدیث لکن المحدث لایفتقر إلیه لأن ذلك من وظیفة الفقیه لأنه یستنبط الأحکام من الأحادیث فیحتاج إلی معرفة التواتر والآحاد والناسخ والمنسوخ فأماالمحدث فوظیفته أن ینقل ویروی ما سمعه من الأحادیث کما سمعه فإن تصدی لما رواه فزیادة فی الفضل انتهی کلام ابن الأثیر.[الحطة فی ذکر الصحاح الستة: ص ۱۰۰،ت: علی حسن الحلبی،دارالجیل،بیروت دون التاریخ]

قال الحازمی: نعم یفید هذا (أی قوة السند) فی باب الترجیحات عند تعارض الأخبار حالة المذاکرة بین المتناظرین، وذلك من وظیفة الفقهاء لأن قصدهم إثبات الأحکام ومجال نظرهم فی ذلك متسع.

[شروط الأئمة الخمسة: ص ۳۳، ت: الشیخ الکوثری، المکتبة الأزهریة، مصر ط:۲۰۰۵م]

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب فرماتے ہیں: اس موقع پر ایک اور بات قابل غور ہے، اور وہ یہ کہ محدثین اور فقہاء کی نوعیت کار میں فرق ہے۔ اسکو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ دونوں گروہ بادی النظر میں ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں کے طریق کار میں بہت باریک، مگر بنیادی فرق ہے۔ ایک طبقے کی توجہ اور کاوش کا مرکزی نقطہ فقہ کی ترتیب وتدوین کا کام تھا اور دوسرے کی نظر تدوین حدیث کے کام پر تھی۔ [مجموعہ مقالات تدریب المعلمین: ۲۰۷،۲۰۸/ ملخصا بلفظه، مرتب: مفتی محمد اکرم کمبوہ، دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور ط: ۱۴۳۱ھ]

۳......ان دونوں جماعتوں کی اصطلاحات اور قواعد میں باہم کئی جگہ اختلاف بھی ہے۔ اس کا بنیادی سبب ان کے ہدف اور مقصد کا اختلاف ہے۔

۴......حضرات محدثین نے اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر، اپنے اجتہاد سے حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت کا ایک معیار اور پیمانہ مقرر کیا ہے۔ اسی طرح فقہاء نے اپنے مقصد کے پیش نظر، اپنے اجتہاد سے حدیث کے ثبوت وعدم ثبوت کا ایک معیار اور پیمانہ مقرر کیا ہے، جو محدثین کے معیار سے قدرے مختلف ہے۔ بسا اوقات حدیث محدثین کے اصول پر ثابت نہیں ہوتی، مگر فقہاء کے اصول پر ثابت ہوتی ہے۔ وبالعکس ایضا۔

قال الحازمی: ثم ینبغی أن یعلم أن جهات الضعف متباینة متعددة وأهل العلم مختلفون فی أسبابه. أما الفقهاء فمدارك الضعف عندهم محصورة وجلها منوط بمراعاة

ظاهـر الشـرع، وعـنـد أئمة النقل أسباب أخر مرعية عندهم، وهى عند الفقهاء غير معتبرة. ثم أئـمة النقل أيضا على اختلاف مذاهبهم وتباين أحوالهم فى تعاطى اصطلاحاتهم يختلفون فى أكثـرهـا. فـرب راو هـو مـوثوق به عند عبد الرحمن بن مهدى ومجروح عند يحيى بن سعيد القطان وبالعكس .وهما إمامان عليهما مدار النقد ومن عندهما يتلقى معظم شأن الحديث.

[شروط الأئمة الخمسة:۵۹،۶۰]

قـال الأمير الـصـنـعانى: قال ابن دقيق العيد: إن لكل من أئمة الفقه والحديث طريقا غيـرطـريـق الآخر فإن الذى تقضيه قواعد الأصول والفقه أن العمدة فيتصحيح الحديث عدالة الراوى وجزمه بالرواية ونظر هم يميل إلى اعتبار التجويز الذى يمكن معه صدق الراوى وعدم غـلـطـه فـمتـى حصل ذلك وجاز أن لايكون غلطا وأمكن الجمع بين روايته ورواية من خالفه بـوجه من الوجوه الجائزة لم يترك حديثه فأما أهل الحديث فإنه مقديروون الحديث من رواية الثـقات العدول ثم تقوم لهم علل تمنعه معن الحكم بصحته. انتهى كلامه بنصه. وهوصريح فـى اختـلاف الاصـطـلاحيـن فـى مسـمـى الـصـحيح من الحديث كما قررنا هو الحمد لله. [توضيح الأفكار لمعانى تنقيح الأنظار:۱/۲۳،۲۴، ت: أبو عبد الرحمن صلاح، دارالكتبالعلمية, بيروت– لبنان الطبعة: الأولى ۱۴۱۷ھ]

قـال الشيـخ مـحـمـد عـوامة: قال الجصاص (الرازى الحنفى الفقيه المحدث) وهو يتـكـلـم عن حديث لا نكاح إلا بشهود وهذه الأخبار كلها عند أهل الحديث ضعيفة، بعضها مـن جهة الرجال وبعضها من جهة الإرسال .والـصـحيح عندهم ما يروى عن أنس مرسلا...... وهـى عـنـدنا صحيحة من أكثر الوجوه التى رويت فيه، وليس طريقة الفقهاء فى قبول الأخبار طـريـقة أصـحاب الحديث، ولا نعلم أحدا من الفقهاء رجع إليهم فى قبول الأخبار وردها ولا اعتبـر أصولهم...... قـال الشيـخ عـوامة: فهـذه أقـوال جـمـهرة من من أئمة الحديث والأصول والـفـقه فى اعتماد طريقة الفقهاء فى القبول والرد دون إنكار عليهم وإنكار المنكرين عليه فيه بـعد عن الصواب وإلزام لهم بما لا يلزمهم. [تدريب الراوى مع حاشية ابن العجمى وتعليقات عوامة:۲/۱۴۴،۱۴۵، دار اليسر، دار المنهاج ط: ۱۴۳۷ھ]

قـال الـذهبـى: فَـكَـمْ مِـن حـديـثٍ تـردَّدَ فيه الحُفَّاظُ: هل هوحسَن؟ أو ضعيف؟ أو صـحيـحٌ؟ بـل الحافظُ الواحدُ يتغيَّرُ اجتهادُه فى الحديث الواحد: فيوماً يَصِفُه بالصحة، ويوماً يَـصِـفُـه بـالـحُـسْـن، وَلَـرُبَّـما استَضْعَفَه! (الموقظة فى علم المصطلح :۲۸،۲۹، ت: عبـدالفتاح أبوغُدّة، مكتبةالمطبوعات الإسلامية بحلب ط:۱۴۱۲ھ]

قال ماهر ياسبن الفحل: توثيق الرجال وتضعيفهم أمر اجتهادى.

[الفوائد والقواعد الحديثية:۱۱، vb.tafsir.net]

قـال ابن مهدى: معرفة الحديث إلهام. قال ابن نمير: وصدق لو قلت له من أين قلت لـم يكن له جواب. [قـواعـد فى علوم الحديث :۴۵۷، الحاشية: ۱، ت: عبـد الفتاح أبو غدة،

إدارة القرآن، كراتشي ط:دون التاريخ]

اس سے معلوم ہوا کہ رواۃ ومرویات کو محدثین کا صحیح وضعیف کہنا ان کی رائے سے ہوتا ہے، جس کی بنیاد ان کا ظن واجتہاد ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فقہاء احکام شرعیہ کے بارے میں اجتہاد کرتے ہیں۔ان دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔محدثین کے فیصلوں کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ خبر محض ہے، اس میں رائے کو دخل نہیں، بالکل غلط ہے۔محدثین کی تصحیحات و تضعیفات ماننے کو اتباع کہہ کر فرض قرار دینا اور فقہاء کیا جتہادات کی پیروی کو تقلید کہہ کر حرام کہنا محض لفظی ہیر پھیر ہے۔دونوں کی ماہیت ایک ہی ہے۔اگر لینا ہے تو دونوں کو لینا پڑے گا اور اگر چھوڑنا ہے تو دونوں کو چھوڑنا ہوگا۔ایک کو حرام اور دوسرے کو فرض کہنا محض عصبیت اور سینہ زوری ہے۔اعاذنا اللہ منہ

اُصولیین اور محدثین میں اصطلاحات میں اختلاف کی ایک مثال حدیث کی تعریف میں اختلاف ہے۔

قال الجزائرى: الحديث أقوال النبى صلى الله عليه وسلم وأفعاله ويدخل فى أفعاله تقريره وهو عدم إنكاره لأمر رآه أوبلغه عمن يكون منقاد اللشرع وأما ما يتعلق به عليه الصلاة والسلام من الأحوال فإن كانت اختيارية فهى داخلة فى الأفعال وإن كان تغير اختيارية كالحلية لم تدخل فيه إذ لا يتعلق بها حكم يتعلق بنا وهذا التعريف هو المشهور عند علماء أصول الفقه وهو الموافق لفن هم.

وذهب بعض العلماء إلى إدخال كل مايضاف إلى النبى عليه الصلاة والسلام فى الحديث فقال فى تعريفه علم الحديث أقوال النبى عليه الصلاة والسلام وأفعاله وأحواله وهذا التعريف هو المشهو رعند علماء الحديث وهو الموافق لفنهم فيدخل فى ذلك أكثر مايذكر فى كتب السيرة كوقت ميلاده عليه الصلاة والسلام ومكانه ونحو ذلك.[توجيه النظر إلى أصول الأثر:١، ت: عبدالفتاح أبوغدة، مكتبةالمطبوعات الإسلامية — حلب ط:١٤١٦ھ]

اصطلاحات میں اختلاف کی دوسری مثال ''مرسل'' کی تعریف میں اختلاف ہے۔

المراد (بالمرسل) أن يحذف الراوى من السند، سواء كان المحذوف الصحابى السامع منه صلى الله عليه وسلم أو من بعده، وسواء كان المحذوف واحدا أو أكثر أو جميع الرواة. فهذه الأقسام كلها من المرسل. هذا على اصطلاح أهل الأصول. وأما أهل الحديث فقالوا إنه لو حذف السامع منه صلى الله عليه وسلم وقال التابعى السامع منه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مرسل. ولو حذف الراوى فيما بين السند فهو المنقطع كأن يقول تبع التابعى قال أبو هريرة رضى الله عنه ولو حذف أول السند أو تمام السند فهو المعلق كأن نقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا .هكذا قال الشيخ الدهلوى فى مقدمة مصطلحات علم الحديث. [نور الأنوار:١٨٤،الحاشية :١٩]

قواعد میں اختلاف کی ایک مثال ’’مرسل‘‘ کے حکم میں اختلاف ہے۔

قال الشیخ محمد عوامة: ذهب جمهور المحدثین إلى أن المرسل ضعیف غیر حجة. وذهب جمهور الفقهاء منهم الأئمة أبو حنیفة ومالك وأحمد فی إحدی الروایتین عنه إلى أن الإرسال لا یضر، فالمرسل عندهم حجة یعمل به. [أثر الحدیث الشریف فی اختلاف الأئمة الفقهاء:۲۲،دار السلام للطباعة و النشر،ط:۱۴۰۷ھ]

پس مرسل فقہاء کے اُصول پر ثابت ہے، محدثین کے اُصول پر ثابت نہیں۔

اور جو صحیح خبر واحد دلیل اقوی کے معارض ہو، وہ فقہاء کے اصول پر ثابت نہیں، محدثین کے اصول پر ثابت ہے۔ حنفی اصولیین اسے انقطاع اور عدم اتصال کی ایک صورت قرار دیتے ہیں اور اسکا نام انقطاع باطن رکھتے ہیں۔ جیسے مثلاً ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنے کی حدیث۔ صحیح خبر واحد ہے اور حدیث مشہور (باصطلاح اصولیین) گواہ مدعی کے ذمے اور قسم منکر پر ہے، کے خلاف ہے۔ [نورالانوار:۱۸۴،۱۸۵، ملخصاً]

اصطلاح میں اختلاف کی ایک اور دلچسپ اور اہم مثال ملاحظہ ہو۔

قال اللکنوی: قال صالح بن مهدی المقبیلی الیمنی العلامة فی بعض مؤلفاته: إن الحدیث الصحیح بالمعنی الأخص عند المتأخرین من حوالی زمن البخاری ومسلم هو ما رواه العدل الحافظ عن مثله من غیر شذوذ ولا علة، وبالمعنی الأعم عند المتقدمین من المحدثین وجمیع الفقهاء والأصولیین هو المعمول به.[الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة:۲۳۲،۲۳۳، ت: عبد الفتاح أبو غدة، مکتب المطبوعات الإسلامیة ط:۱۴۰۴ھ]

۵.....محدثین کی زیادہ تر بحث خبر واحد کی سند سے ہوتی ہے۔ سند میں دو امر قابل لحاظ ہیں: ۱۔ ثقاہت رواۃ (یعنی سب عادل وضابط ہوں) ۲۔ اتصال سند۔ شذوذ وعلت درحقیقت سند کے ان دو اوصاف کی کمی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ثقاہت واتصال کی تفصیل فقہاء کے ہاں محدثین سے مختلف ہے۔

قال ابن حجر: وإنما أبهمت شروط التواتر فی الأصل؛ لأنه علی هذه الکیفیة لیس من مباحث علم الإسناد، » وإنما هو من مباحث أصول الفقه « إذ علم الإسناد یبحث فیه عن صحة الحدیث أو ضعفه؛ لیعمل به أو یترك من حیث صفات الرجال، وصیغ الأداء، والمتواتر لایبحث عن رجاله، بل یجب العمل به من غیر بحث.

[نزهة النظر:٤٥، ت: عتر، مطبعة الصباح، دمشق :۱۴۲۱ھ]

وقال: ثم المردود: وموجب الرد إما أن یکون لسقط من إسناد، أو طعن "من إسناد" فی راو علی اختلاف وجوه الطعن، أعم من أن یکون لأمر یرجع إلى دیانة الراوی أو إلى ضبطه. [المصدر السابق: ٨٠]

متاخرین محدثین کے ہاں حدیث صحیح کی مشہور ومعروف تعریف وہ ہے جو ابن صلاح شافعی (م۶۴۳ھ) رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

قال ابن الصلاح الشافعی: أماالحدیث الصحیح: فهو الحدیث المسند الذی یتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلی منتهاه، ولایکون شاذا،ولامعللا . وفی هذه الأوصاف احترازعن المرسل، والمنقطع، والمعضل، والشاذ، وما فیه علة قادحة، وما فی راویه نوع جرح.[مقدمة ابن الصلاح: ت: عترا/۱۲،۱۱، دارالفکرالمعاصر، بیروت ط:۱۴۰۶ھ]

اس تعریف میں بنیادی طور پر چار شرائط ہیں۔۱: اتصال سند ۲: ثقاہت رواۃ ۳: عدم شذوذ ۴: عدم علت۔ اَب ذرا فقہاء اور اُصولیین کی نظر سے ان شرائط کا جائزہ لیجیے۔

قال ابن دقیق العید الشافعی: الصحیح ومداره بمقتضی أصول الفقهاء والأصولیین علی صفة عدالة الراوی العدالة المشترطة فیقبول الشهادة علی ما قرر من الفقه . فمن لم یقبل المرسل منهم زاد فی ذلک أن یکون مسندا .وزاد أصحاب الحدیث أن لایکون شاذا ولامعللا . وفی هذین الشرطین نظر علی مقتضی مذهب الفقهاء فإن کثیرا من العلل التی یعلل بهاالمحدثون الحدیث لاتجری علی أصول الفقهاء.

[الاقتراح فی بیان الاصطلاح:۵، دار الکتب العلمیة بیروت ط: دون التاریخ]

قال ابن حجر العسقلانی الشافعی: والمصنف یأخذ بقول الفقهاء والأصولیین وذلک أنهم لایشترطون نفی الشذوذ فیشرط الصحیح. [النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۱۰۶، ت: ربیع المدخلی، عمادةالبحثالعلمی، السعودیة، ط:۱۴۰۴ھ]

قال ابن الجوزی الحنبلی: فالإنصاف إن الحکم بالشذوذ من المحدثین لما کان مرجعه الترجیح من حیث کثرة العدد أو قوة الحفظ ونحوهما لا یستلزم کون الحدیث شاذا مردودا عند غیرهم من الفقهاء غیر محتج به فی الأحکام فإن وجوه الترجیح غیر محصورة فلا یبعد أن یکون الحدیث المرجوح من جهة تفرد الراوی أو قصور حفظه أرجح مما یقابله من سائر جهات الترجیح. [فتح الملهم:۱/۱۳۶، ت: جماعة من المشائخ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت ط:۱۴۲۶ھ]

قال الفاضل أکرم السندی: أخذ اتصال السند فی تعریف الصحیح بناء علی أنه مذهب أکثر المحدثین (بعد المائتین)، وإلا فمرسل القرون الثلاثة عند فقهائنا الحنفیة حجة، وکذا المرسل حجة عند مالک والکوفیین.[ظفر الأمانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی:۱۱۰، ت: عبد الفتاح أبو غدة، مکتب المطبوعاتالإسلامیة — حلب ط:۱۴۱۶ھ]

راوی کی عدالت کا مطلوبہ معیار کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

قال الشیخ محمد عوامة: أما ثبوت عدالة الراوی فههنا مهیع واسع جدا ومجال رحب للاختلاف، فقد اختلفوا فی نوعیة العدالة المطلوب ثبوتها:

هل یکتفی بکون الراوی مسلما لم یثبت فیه الجرح؟ أو یشترط أن یضاف إلی ذلک ثبوت عدالته الظاهرة فیکتفی بذلک ویسمی حینئذ مستورا؟ أو لا بد من ثبوت عدالته الظاهرة

والباطنة؟ [أثر الحديث الشريف فی اختلاف الأئمة الفقهاء: ۲۲]

حنفیہ کے ہاں قرون ثلاثہ کے رواۃ کے لیے ثبوت عدالت میں پہلے دونوں درجے بھی کافی ہیں۔قرون ثلاثہ کا مجہول اور مستور عادل سمجھا جائے گا تاوقتیکہ اس پر جرح مفسر دلیل سے ثابت نہ ہوجائے۔قرون ثلاثہ میں عدالت اصل ہے اور ضعف محتاج دلیل۔محدثین کی ایک جماعت کے ہاں بھی مستور عادل ہے۔(دیکھیے :الرفع والتکمیل :۲۴۲-۲۴۴) تاہم جمہور مستور کو قبول نہیں کرتے۔[نزهة النظر :۱۰۲] پس ان کے ہاں ظاہرا اور باطنا عدالت کا ثبوت ضروری ہے۔حدیث صحیح کی تعریف میں عدل کی قید کا فائدہ ملاحظہ ہو:

العدل احتراز عما فی سنده من لم تعرف عدالته بأن يكون عرف بالضعف أو جهل عينا أو حالا.[شرح ألفية العراقی :۱/۱۰۴، ت: عبد اللطيف، ماهر ياسين، دارالكتب العلمية، بيروت ط:۱۴۲۳ھ]

قال الزركشی: واعلم أن للمحدثين أغراضا فی صناعتهم احتاطوا فيهالا يلزم الفقهاء اتباعهم على ذلك.[النكت على مقدمة ابن الصلاح:۲/۲۰۹،ت: زين العابدين،أضواء السلف]

عدالت رواۃ سے متعلق ایک اختلافی نکتہ یہ ہے کہ کونسا امر مسقط عدالت ہے؟ جیسے مثلا رائے اور فقہ کی بنا پر جرح ہوتی رہی ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ایک اور اختلافی نکتہ یہ ہے کہ عدالت کس طریقے سے ثابت ہوگی؟ مثلا تعدیل علی الابہام مقبول ہے یا نہیں؟

راوی کے ضبط کے لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استمرار حفظ کی قید لگائی ہے، جبکہ جمہور محدثین کے ہاں یہ قید نہیں۔

قال الشيخ محمد عوامة: يحسن التنبيه إلى شرط فی ثبوت ضبط الراوی اشترطه الإمام أبو حنيفة رحمه الله هو استمرار حفظ الراوی بحديثه من حين تحمله له إلى حين أدائه إياه دون أن يتخلله نسيان له .وهذا شرط شديد حمله عليه ما شهده من اضطراب الرواة وتصرفهم، وبحكم هذا الشرط سيختلف مع غيره فی تضعيف بعض الأحاديث وتصحيح غيره لها.[أثر الحديث الشريف:۲٤] ومثله فی نورالأنوار:۱۸۲

مذکورہ بالا تفصیل سے محدثین اور فقہاء کے معیار ثبوت حدیث میں فرق بخوبی واضح ہوگیا۔اگر مضمون کے موضوع سے بعید نہ ہوتا تو یہاں یہ بحث بھی ذکر کی جاتی کہ حدیث صحیح کی اس مشہور تعریف میں خود متقدمین محدثین کے نقطہ نظر سے کیا تاملات ہیں؟

۶......حدیث پر عمل کرنے کے لحاظ سے محدثین کا عمومی طریقہ یہ ہے کہ صحیح مرفوع حدیث کے

ظاہری معنی لیتے ہیں۔اور جہاں احادیث میں بظاہر تعارض ہو وہاں تطبیق دیتے ہیں یا قوت سند کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔دوسری طرف فقہاء کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید، مرفوع احادیث، شریعت کے عام قوانین، صحابہ اور تابعین کے فتاوی اور عمل، حکم کی علت، شارع کی غرض، ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے دلائل کے مراتب وغیرہ جملہ امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث کی عملی حیثیت متعین کرتے ہیں۔اور کئی طرح کے قرائن وشواہد کی بنا پر حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔

قال الشيخ عبد الحق المحدث: إن طريق المحدثين هو أخذ العمل بالمنصوص الذى ثبت بالنقل الضحيح أو جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال، لا سيما عند ما تتعدد الطرق وتتعاضد. وطريقة الفقهاء اعتبار المعنى وعلة الحكم قاعدة الباب باستثناء أن يقع نص فى مقابلها. [دستور العلماء: ١١٥/٤، القاضى عبد النبى بن عبد الرسول الأحمد نكرى، ت: حسن يانى فحص، دار الكتب العلمية، بيروت ط:۱۴۲۱ھ]

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: محدثین کا مطمح نظر روایت ہوتی ہے اور فقہاء درایت سے کام لیتے ہیں۔جیسے غناء محدثین کے نزدیک بلا مزامیر جائز ہے، کیونکہ حدیث میں لفظ معازف کا آیا ہے اور فقہاء کے نزدیک بلا مزامیر بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ علت کو سمجھتے ہیں اور وہ خوف فتنہ ہے اور وہ جیسے مزامیر میں ہے، صرف غناء میں بھی موجود ہے۔محدثین نص سے تجاوز نہیں کرتے اور فقہاء اصل منشا حکم کو معلوم کر کے دیگر مواقع تک حکم کو متعدی کرتے ہیں۔

[تحفۃ العلماء: ۵۸۶/۲، ت: مفتی محمد زید، مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک، سن ندارد]

قال كيلانى محمد خليفة: وهذه المسئلة (أى المسح على الخفين والخمار) يظهر فيها بوضوح بين نظر الفقهاء الذى يلحظ الأدلة الشرعية الأخرى ويوفق بينها عند التعارض وبين نظر المحدثين الذين يعملون بظواهر النصوص ويرمون من خالفهم بمخالفة السنة. [منهج الحنفية فى نقد الحديث بين النظرية والتطبيق: ٣٤٨، تقديم: سعيد رمضان البوطى، دار السلام، مصر ط:۱۴۳۱ھ]

قال الشيخ الكوثرى: من قصر فى جمع الروايات واكتفى بخبر يعده صحيحا لا يكون وفى العلم حقه لأن الروايات تختلف زيادة ونقصا ومحافظة بالأصل، ورواية بالمعنى واختصارا، فلا تحصل طمأنينة فى قلب الباحث إلا باستعراض جميعها مع آراء فقهاء الصحابة والتابعين ومن بعدهم، فيتمكن بذلك من رد المردود وتأييد المقبول .وهذا ما فعله الطحاوى فى كتبه. [أمانى الأحبار: ٤٧/١، إداره تاليفات أشرفيه، ملتان، دون التاريخ]

۷......مقصد اور طرز عمل کا یہ اختلاف، اختلاف رائے سے آگے بڑھ کر طعن وتشنیع کی حد تک بھی

پہنچا ہے۔ فقہاء نے کسی قرینے کی بنا پر حدیث کے ظاہری معنی چھوڑ کر معنائے محتمل مراد لیے تو محدثین نے اس پر مخالفت حدیث اور رائے کا طعن کر دیا۔ خصوصاً حنفیہ اس ملامت کا زیادہ ہدف بنے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہوا کہ حنفیہ کے اصول وفروع کو براہ راست ان سے سمجھا نہیں گیا، دور ہی دور سے از خود سرسری طور پر دیکھا گیا اور سمجھ نہ آنے پر معاندانہ رویہ اختیار کر لیا گیا۔ نتیجۃً حنفیہ کے دلائل اور رجال کے ساتھ انصاف کم ہی ہوا۔ ورنہ جنھوں نے براہ راست ان سے سمجھا، انھوں نے صاف اعلان کر دیا کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے محتاج ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فقہ کی بنیاد تو حدیث ہی ہے۔

قال ابن عبد البر المالكی: كان يحيى بن معين يثنی عليه ويوثقه (أی علی أبی يوسف). وأما سائر أهل الحديث فهم كالأعداء لأبی حنيفة وأصحابه.[الانتقاء فی فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء:۳۳۱، ت: عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب ط:۱۴۱۷ھ]

قال سليمان الطوفی الحنبلی : واعلم أن أصحاب الرأی بحسب الاضافة هم كل من تصرف فی الأحكام بالرأی، فيتناول جميع علماء الإسلام؛ لأن كل واحد من المجتهدين لايستغنی فی اجتهاده عن نظر و رأی، ولو بتحقيق المناط و تنقيحه الذی لانزاع فی صحته . أما بحسب العلمية فهو فی عرف السلف من الرواة بعد محنة خلق القرآن علم علی أهل العراق. وهم أهل الكوفة أبوحنيفة ومن تابعه منهم .وبالغ بعضهم فی التشنيع عليه .وإنی والله لأری إلا عصمتهم ما قالوا و تنزيهه عما إليه نسبوه . وجملة القول فيه إنه لم يخالف السنة عنادا، وإنما خالف فی ما خالف منها اجتهادا بحجج واضحة ودلائل صالحة لائحة، وحججه بين أيدی الناس موجودة، وقل أن ينتصف منها مخالفوه . وله بتقدير الخطأ أجر و بتقديرالإصابة أجران .والطاعنون عليه إما حساد أو جاهلون بمواقع الاجتهاد . وآخر ما صح عن الإمام أحمد إحسان القول فيه والثناء عليه، ذكره أبوالورد من أصحابنا فی كتاب أصول الدين.[شرح مختصر الروضة:۲۸۹/۳،۲۹۰ ت: عبدالله التركی،وزارةالشؤون الإسلامية،السعوديةط:۱۴۱۹ھ]

قال الجديع: ومن قبيح ما سودت به صحف كثيرة ما وقع من نقمة جماعة من أهل الحديث علی أبی حنيفة وأصحابه بسبب المذهب كما قال يحيی ابن معين: أصحابنا يفرطون فی أبی حنيفة وأصحابه. فقيل له أ كان يكذب؟ فقال: كان أنبل من ذلك. أخرجه ابن عبد البر فی بيان العلم: رقم: ۲۱۰۶ وإسناده صحيح. قلت (الجديع): وتلك الصحف التی سودت بها صحف كثيرة لا تعود فی التحقيق إلا إلی التحامل بسبب خلاف

المذهب.[تحرير علوم الحديث: ١/٥٢٣، مؤسسة الريان، بيروت ط: ١٤٢٤ه]

حضرت تقی لکھتے ہیں: دوسرے ہر عالم کی طرح علامہ کوثری رحمہ اللہ کی بعض باتوں یا ان کے اسلوب بیان سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے ان مظلوم اہل علم (حنفیہ واشاعرہ) کے دفاع کا فرض کفایہ ادا کیا ہے، جن پر کسی معقول وجہ کے بغیر تضلیل اور طعن وتشنیع کی بارش کی گئی۔[نقوش رفتگاں: ۳۹۰، مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔ط: ۱۴۲۷ھ]

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: مذہب حنفی کو بعضے نادان حدیث سے بعید سمجھتے ہیں، مگر مذہب میں اصل چیز اُصول ہیں، سو ان کے اصول کو دیکھا جائے تو سب مذاہب سے زیادہ اقرب الی الحدیث ہیں...... میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ حنفیہ کے اُصول پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے ان کو ہمیشہ بدنام کیا گیا ہے۔

[ملفوظات حکیم الامت: ۹۲/۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ]

قال محمد بن سماعة: كان عيسى بن أبان يصلى معنا الصبح، و كنت أدعوه أنى اتى مجلس محمد بن الحسن، فيقول: هؤلاء قومى خالفون الحديث. وكان عيسى حسن الحفظ للحديث. فصلى معنا يوما الصبح و كان يوم مجلس محمد، فلما فارقه حتى جلس فى المجلس. فلما فرغ محمد أدنيته إليه وقلت: هذا ابن أخيك أبان بن صدقة الكاتب، ومعه ذكاء ومعرفة بالحديث، وأنا أدعوه إليك فيأبى ويقول: إنا نخالف الحديث. فأقبل عليه محمد وقال له: يا بنى! ماالذى رأيتنا نخالفه من الحديث؟ لاتشهد علينا حتى تسمع منا. فسأله يومئذ من خمسة وعشرين بابا من الحديث، فجعل محمد بن الحسن يجيبه عنه اويخبره بما فيها من المنسوخ، ويأتى بالشواهد والدلائل. فالتفت إلى بعد ماخرجنا فقال: بينى وبين النور ستر فارتفع عنى، ماظننت أن فى ملك الله مثل هذا الرجل يظهره للناس. ولزم محمد بن الحسن لزوما شديدا حتى تفقه.

[أخبارأبى حنيفة وأصحابه: ١/١٣٢، عالم الكتب، بيروت ط: ۱۴۰۵ھ]

قال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى: ومن أسباب وقوع الناس فى هذا التوهم وصدور نسبة مخالفة الأحاديث إلى مذهب الحنفية منهم، أن بعض المحدثين الذين كانوا فى مذهب الشافعى كصاحب المصابيح والمشكاة وأمثالهما من أهل العجلة والغلاة تصفحوا وتتبعوا دلائل مذهبهم وأوردواها فى كتبهم وسلكوا فى الأحاديث التى تمسك بها الحنفية طريق الطعن والجرح فى رواتها الحنيفة. وأكثر الشافعية المتأخرين عفا الله عنهم لا يخلون عن التعصب بهذا الإمام ولا يثبت أقدامهم على طريق الإنصاف فى هذا المقام (ومعلوم تعصب اليهقى والنووى وابن حجر مثلا، وللبسط موضع آخر. طارق)، والحال أن

ههنا أحاديث أخر فوق ما ذكروه معارضة لها راجحة عليها أو ناسخة لها .وقد ثبت ذلك بالنظر فی الكتب المصنفة فی مذهبنا هنالك......ولما كنت أقرء كتاب المشكاة ووقعت فی هذا الخيال وهممت أن أدخل فی مذهب الشافعی فی الحال فعرضت ذلك علی سيدی الشيخ العالم العامل أبی المواهب صفی الدين عبد الوهاب المتقی القادری الشاذلی، قال من أين وقعتم فی هذا الخيال؟ لعله حملكم عليه قرائة المشكاة بالاستعجال .وقال: ما هو إلا أنهم تتبعوا الأحاديث الموافقة لمذهبهم فأوردوها فی كتبهم مكررة. وههنا أحاديث أخر راجحة عليها يثبت مذهبنا مقررة كما مر.[فتح الرحمن فی إثبات مذهب النعمان :۲۵،۲۶، ت: المفتی نظام الدين الأعظمی، عتيق إكادمی، ملتان ط: دون التاريخ]

لطیفہ: استاذ محترم حضرت مولانا محمد محسن گلزار دام ظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا شیخ عبدالمالک دام ظلہ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر درایہ میں جہاں لم اجدہ (یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔) فرماتے ہیں، وہ دراصل لم اجِدّہ ہوتا ہے۔ (یعنی میں نے تلاش کی زیادہ کوشش نہیں کی)۔

۸...... طالب علم اور باحث پر لازم ہے کہ ان دونوں جماعتوں کی اصطلاحات اور قواعد متحضر رکھے اور دونوں کو اپنے اپنے درجے پر رکھے، تاکہ علم وبحث کا حق ادا ہو۔

۹...... عمل بالحدیث سب ائمہ کی مشترک میراث ہے۔ البتہ عمل کے انداز اور طریقے میں کچھ فرق ہے۔ کوئی ظاہری معنی تک رہتا ہے، تو کوئی اس سے آگے بڑھ کر غرض اور مراد کا کھوج لگاتا ہے۔ اجتہادی اختلافات کو اپنی حدود میں رکھنا ضروری ہے، ورنہ مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائیگی۔

۱۰...... سب ائمہ کے ساتھ ادب اور حسن ظن لازم ہے۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے پاس عیسی بن ہارون آیا اور کہا کہ میں نے اس کتاب میں احادیث جمع کی ہیں جو آپ کے ساتھ ان محدثین سے سنی ہیں جنھیں ہارون الرشید نے آپ کے لیے منتخب کیا تھا۔ اب آپ کے مصاحب وہ لوگ ہو گئے ہیں جو ان حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں (مراد اصحاب ابی حنیفہ)۔ اگر یہ لوگ حق پر ہیں تو آپ کے والد نے غلط اساتذہ کا انتخاب کیا اور اگر آپ کے والد نے صحیح اساتذہ کا انتخاب کیا تو آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نکال دیں۔ مامون نے کتاب لے لی اور کہا ہوسکتا ہے ان لوگوں کے پاس دلیل ہو، میں ان سے پوچھتا ہوں۔ مامون نے یکے بعد دیگرے تین آدمیوں کو وہ کتاب پیش کی، مگر کوئی شافی جواب نہ دے پایا۔ عیسی بن ابان کو واقعہ معلوم ہوا، اس سے پہلے یہ مامون کے پاس نہ جاتے تھے۔ آپ نے کتاب الحجۃ الصغیر لکھی۔ اس میں پہلے تو حنفیہ کے اصول حدیث کی پوری وضاحت کی اور پھر عیسی بن ہارون کے اعتراضات کے جوابات میں اپنے دلائل مفصل طور پر بیان کیے۔ مامون نے کتاب پڑھ کر کہا: ان

کولوگوں کوایسا ہی جواب دینا چاہیے تھا۔ پھر یہ شعر پڑھے:

حسدوا الفتی إذ لم ینالوا سعیہ　　فالناس أعداء لہ وخصوم

کضرائر حسناء قلن لزوجھا　　حسدا وبغیا إنہ لدمیم

[أثر الحدیث الشریف: ۲۵، ۲۶، ملخصا]

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اختلافی مسائل میں متاخرین نے بڑا جھگڑا پھیلا دیا۔ دین کو اچھا خاصا میدان جنگ بنا دیا۔ اختلاف مذاہب کو اختلاف عمل بنالیا۔

[ملفوظات حکیم الامت: ۳/ ۲۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔ ط: ۱۴۲۳ھ]

اور فرماتے ہیں: اگر کسی مسئلہ میں (دو حدیثوں میں) اختلاف ہو اور ناسخ و منسوخ کا حال معلوم نہ ہو تو اس میں ایک جانب کے حرام ہونے کا قطعی حکم نہ کرنا چاہیے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شارع کی رائے میں خدا جانے کیا مطلب ہے، جس نے اس حکم کو حرام سمجھا ہے شاید شارع کا مقصود اس کے خلاف ہو۔ اسی وجہ سے سلف نے بہت وسعت کو اختیار کیا ہے اور بعض متاخرین نے بہت تشدد کیا ہے۔ ایک جانب کے قطعا حرام ہونے کا حکم کر دیا ہے۔ ایسے ہی بعض متعصبین کا طریقہ ہے کہ جس جگہ پر دو حدیثوں میں تعارض ہو اور ایک حدیث پر خود عمل کر رہے ہیں تو دوسری حدیث میں کچھ نہ کچھ قباحت گھڑ کر نکال دی تا کہ ہمارے مذہب کا ثبوت قوی ہو جائے، اس کا باعث فقط تعصب ہے۔ یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے؟ ان کی اس کاروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں بھی بد مذہبی تھی۔ معاذ اللہ۔ پھر آگے یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔

حضرات سلف کا طریقہ یہ تھا کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہوا اور ان میں سے کسی کا منسوخ ہونا معلوم نہ ہوا تو بلا تعصب شہادت قلب سے جس حدیث کو راجح پایا اس پر عمل کر لیا، اور دوسرے کو بھی اس عنوان سے حکم بتا دیا کہ ہماری سمجھ میں ایسا آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ متقدمین نے احادیث کے معنی سمجھنے کا قصد کیا ہے اور بعض متاخرین نے ظاہری لفظوں سے تمسک کر کے اور اس سے گنجائش نکال کر اس کا اتباع کیا ہے، ہمیشہ لفظ کا جواب لفظ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیتے رہے، یہ اثر ہے ان کے تعصب کا......اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث میں نہ تعارض ہے اور نہ معنی میں اغلاق ہے، مگر پھر بھی ظاہری مدلول کیخلاف یوں فرماتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں اس حدیث کے یہ معنی آتے ہیں جو ظاہر میں مستبعد معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کو نور معرفت اور کشف بصیرت عنایت فرمایا تھا، جہاں حدیث سنی فورا جناب رسول اللہ ﷺ کے مقصود پر ذوقا مطلع ہو گئے۔ مثلا جناب رسول اللہ ﷺ نے بوقت وفات صاحب زادی کے فرمایا تھا کہ

ان کو تین یا پانچ یا سات بار غسل دو تو امام مالکؒ نے حدیث سنتے ہی فرمایا کہ مراد حصول تطہیر ہے، خواہ تین بار میں حاصل ہو جائے یا پانچ بار میں یا سات بار میں، اور وہ اس مطلب پر کشف بصیرت سے مطلع ہو گئے۔

ہمارے امام اعظمؒ پر لوگوں نے بہت سے اعتراض کیے ہیں کہ امام صاحب نے حدیث کو نہیں سمجھا۔ سو اصل یہ ہے کہ امام صاحب نے حقائق ومعانی احادیث کو خوب سمجھا ہے اور الفاظ ظاہری معنی پر دلالت کرتے ہیں، ان الفاظ کا مغز اور مقصود اصلی تو تامل وتدبر سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ پس ظاہر پرست لوگوں نے ظاہری معنی خلاف مقصود دیکھ کر اعتراضات شروع کیے، اور اگر بصیرت اور تامل سے انکی رسائی اس درجہ تک ہو جاتی جہاں تک کہ امام صاحب کی نظر دقیق پہنچی تو وہ مقصود اور مطلوب بالکل واضح اور ظاہر حدیث کے مطابق نظر آتا......امام صاحب ان حضرات کے مشابہ ہیں جنھوں نے حدیث بنی قریظہ کے مقصود معنی سمجھے اور بعضے مجتہدین ان کے مشابہ ہیں جنھوں نے ظاہری معنی سمجھے......اگر دونوں حضرات سے اس تعیین مقصود پر دلیل طلب کی جائے تو کیا بیان کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بیان کر سکتے، کیونکہ یہ امر ذوقی اور ثمرہ بصیرت ہے......اس زمانہ میں جو اختلافات واقع ہو رہے ہیں وہ تین قسم کے ہیں: ایک تو اولی اور غیر اولی میں۔ دوسرے واجب اور غیر واجب اور تیسرے حرام اور غیر حرام۔ سو اول میں تو پڑنا فضول ہے، مثلاً امام صاحب کہتے ہیں آمین بالجہر نہ چاہیے اور دوسرے لوگ آمین بالجہر کرتے ہیں، تو اس میں تو کوئی مہتم بالشان اختلاف نہیں، اور باقی قسموں میں بھی انصاف اور نرمی سے کام لینا چاہیے۔[تقریر ترمذی: ۴۳-۴۵، ملخصا بتغيير يسير، ت: مفتی عبدالقادر، مفتی تقی عثمانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ط: ۱۴۲۶ھ]

قال التاج السبكي: ينبغي لك أيها المسترشد أن تسلك سبيل الأدب مع الأئمة الماضيين، وأن لا تنظر إلى كلام بعضهم في بعض إلا إذا أتى ببرهان واضح .ثم إن قدرت على التأويل وتحسين الظن فدونك وإلا فاضرب صفحا عما جرى بينهم .فإنك لم تخلق لهذا فاشتغل بما يعنيك ودع ما لا يعنيك ولا يزال طالب العلم نبيلا حتى يخوض فيما جرى بين الماضين .وإياك ثم إياك أن تصغى إلى ما اتفق بين أبى حنيفة وسفيان الثورى أو بين مالك وابن أبى ذئب أو بين أحمد بن صالح والنسائى أو بين أحمد بن حنبل والحارث المحاسبى وهلم جرا، فإنك إذا اشتغلت بذلك خفت عليك الهلاك، فالقوم أئمة أعلام ولأقوالهم محامل وربما لم نفهم بعضها فليس لنا إلا الترضى عنهم والسكوت عما حرى بينهم كمما يفعل فيما جرى بين الصحابة رضى الله عنهم.

[الرفع والتكميل: ۴۲۵-۴۲۹، ت: عبد الفتاح أبو غدة، قديمى، كراتشى، دون التاريخ]

۲۲ رنومبر ۲۰۱۹م / ۲۴ رربیع الاول ۱۴۴۱ھ